استشراق اور مستشرقین مالک بن نبی کی نظر میں

Orientalism and Orientalists in the view of Malek bin Nabi

Sami Ul Haq
PhD Scholar Department of Islamic Thought and Civilization
School of Social Sciences and Humanities (SSH) UMT Lahore
Email: samiulhaqs@gmail.com

Dr. Tahira Basharat
Department of Islamic Thought and Civilization, UMT Lahore
Email: tahira.basharat@umt.edu.pk

Abstract

This article explores the captivating insights of Malik bin Nabi, a thought-provoking figure whose views on Orientalism shed new light on this contentious field of study. While Orientalism has traditionally been associated with Western perspectives and the portrayal of the East as exotic and inferior, bin Nabi offers a unique perspective that challenges prevailing notions. Drawing from his extensive research and personal experiences, bin Nabi presents a nuanced critique of Orientalism, emphasizing the need for a balanced and holistic approach. His analysis transcends simplistic dichotomies and confronts the underlying power dynamics, biases, and stereotypes that pervade Orientalist discourse. By delving into bin Nabi's alternative framework, which emphasizes intercultural dialogue, mutual understanding, and respect, this article aims to broaden the discourse on Orientalism and inspire new avenues of scholarship. By reevaluating Orientalist perspectives through bin Nabi's critical lens, readers are invited to question preconceived notions and embark on a transformative journey towards a more inclusive and equitable understanding of the East-West relationship.

مالک بن نبی کا شمار بیسویں صدی کے اُن اہم ترین مسلم مفکرین میں ہوتا ہے، جنھوں نے مسلمانوں کے تہذیبی مسائل پر سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ سماجیات و عمرانیات پر اُن کے کام کو دیکھ کر انھیں وقت کے ابن خلدون کا خطاب دیا گیا۔ آپ کا نام مالک بن عمر بن خضیر بن مصطفیٰ بن نبی ہے۔ آپ یکم جنوری 1905ء کو الجزائر کے شمال مشرق میں واقع "قسنطینه" شہر کے ایک غریب اور قدامت پسند مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد معمولی ملازمت کرتے تھے جب کہ والدہ گھر میں خواتین کے کپڑے سی کر گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹاتیں۔[1] یہ وہ زمانہ تھا جب الجزائر فرانسیسی سامراج کے قبضے میں تھا، جس نے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم سے دور رکھنے کے تمام حربے استعمال کیے۔ مالک بن نبی کے والد تعلیم کی اہمیت سے واقف تھے، چنانچہ سخت حالات اور مالی مشکلات کے باوجود اپنے بیٹے کو پڑھانے کا عزم کیا۔ پہلے انھیں تبسه کے مکتب میں داخل کرایا، جہاں انھوں نے قرآن کریم کے کچھ پارے حفظ کیے

اور بعد ازاں فرانسیسی سامراج کے قائم کردہ سکول میں داخل کرایا۔ انٹر میڈیٹ کا امتحان قسنطینہ سے پاس کر کے وظیفہ کا امتحان دیا جس میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی اور اس طرح والدین اُن کے تعلیمی اخراجات کے بوجھ سے آزاد ہوئے۔ انھوں نے کچھ وقت "سیدی الجلیس" انسٹی ٹیوٹ میں بھی پڑھا، جہاں سے طالب علم اُستاد، وکیل، ڈاکٹر، شرعی عدالتوں کے جج اور کلکٹر بن کر نکلتے تھے۔ [2]

سکول و کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مالک بن نبی نے عربی زبان و ادب کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی چنانچہ صرف و نحو کے قواعد کی ابتدائی کتابیں انھوں نے شیخ عبد المجید[3] سے پڑھیں اور علم الکلام اور سیرت و تاریخ کے اسباق کے لئے شیخ مولود بن موھوب[4] کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ان کے فرانسیسی اساتذہ میں مارٹن اور بوہیر تے قابل ذکر ہیں، جن سے مالک بن نبی نے فن تعبیر، مطالعہ، تاریخ اور ادب کی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے میں الجزائر کے قہوہ خانے اور کافی شاپ ادب و ثقافت کے مراکز ہوا کرتے تھے، جہاں پر ادبی اور علمی محافل منعقد ہوتی تھیں۔ ان قہوہ خانوں نے مالک بن نبی کے ادبی ذوق کو اجاگر کرنے اور ان کی فکری تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ [5]

انھیں بچپن ہی سے کتابیں پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا شوق تھا، جہاں سے جو کتاب ملتی پڑھ لیتے۔ وسیع المطالعہ ہونے کی وجہ سے اکثر شہر کی لائبریریوں کا طواف کرتے رہتے، انھوں نے لائبریریوں سے اچھے مراسم بنا لئے تھے چنانچہ کتابیں مستعار حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مالک بن نبی لکھتے ہیں کہ ان کی فکری نشو نما میں ترکی نژاد فرانسیسی دانشور احمد رضا[6] کی کتاب "الفشل الأخلاقي للسياسة الغربية في الشرق"، مصر کے معروف دانشور محمد عبدہ[7] کی کتاب "رسالة التوحيد"، عبد الرحمن الکواکبی[8] کی معروف کتاب "ام القریٰ"[9]، ابن خلدون کا مقدمہ، جون ڈیوی[10] کی مشہور کتاب "How We Think" اور فریڈک نطشے[11] کی کتاب "Thus Spoke Zarathustra" نے اہم کردار ادا کیا۔ [12]

ہائی سکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ وہ فرانس گئے تاکہ وہاں کے تعلیمی اداروں سے علم حاصل کر کے ملک و قوم کی خدمت کریں۔ پہلے انھوں نے قانون پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن انھیں لاء کالج میں داخلہ نہ مل سکا چنانچہ کچھ عرصہ یوں ہی رہے۔ اس دوران "نوجوانان پیرس کا مسیحی یونٹ" نامی تنظیم سے متعارف ہوئے۔ اس تنظیم کے ذریعے انھیں مغرب کو قریب سے دیکھنے اور مغربی تہذیب کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ بعد میں اسی تنظیم کے نہج پر انھوں نے شمالی افریقہ سے آئے ہوئے طالب علموں پر مشتمل مسلمان طلبہ کی ایک یونین بنائی۔ [13]

انھوں نے پیرس میں الجزائر پر ناجائز فرانسیسی قبضے کے خلاف اور اپنے ہم وطنوں کو مستشرقین کے حربوں

سے بچانے کا بیڑا اٹھایا اور مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کے لئے جگہ جگہ محاضرات دینا شروع کر دیے۔ ان کا پہلا لیکچر "ہم کیوں مسلمان ہیں؟" کے عنوان سے تھا، جس میں انھوں نے فلسفیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے روح اور مادہ کے بارے میں بھی اپنا نظریہ بھی پیش کیا۔

اپنے "باغیانہ" اور انقلابی فکر کی وجہ سے وہ جلد ہی فرانسیسی مفکرین اور فرانسیسی سامراجی حکومت کی نظروں میں آگئے اور ان کے اہل خانہ کو تنگ کرنا شروع کیا گیا۔ پہلے ان کے والد کے لئے ملازمت میں مسائل پیدا کر دئے گئے اور بعد میں انہیں سرکاری نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ 1956ء میں وہ قاہرہ چلے گئے، جہاں ان کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور اسلامی دنیا میں شہرت ملی۔ قاہرہ میں علماء ازہر کی وساطت سے مختلف علمی و ادبی محفلوں، سیمناروں اور کانفرنسوں میں لیکچر دینا شروع کیا اور اپنی فکر سے لوگوں کو متاثر کیا۔ یہاں قیام کے دوران ہی کچھ دوستوں نے انہیں الجزائر میں فرانسیسی استعمار کے خلاف جاری جدوجہد انقلاب میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے متوجہ کیا۔ [(14)] اپنے قیام فرانس کے دوران انھوں نے مستشرقین اور ان کے کام کو قریب سے دیکھا۔

مالک بن نبی اور استشراق:

مالک بن نبی نے یورپ کے قلب فرانس کے دار الحکومت پیرس میں مستشرقین کے درمیان تیس سال کا عرصہ گزارا، چنانچہ انہوں نے قریب سے مغرب کو دیکھا، استشراق کو گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، مستشرقین کے طریقہ واردات اور سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کی۔ انھوں نے استشراق کو صرف ایک فکر کی حیثیت سے نہیں دیکھا بلکہ مستشرقین کو اس فکر پر مجبور کرنے والے عوامل اور ان کے نفسیات کا بھی بغور جائزہ لیا۔ ان کے نزدیک "مستشرقین سے مراد وہ مغربی لکھاری ہیں جو اسلامی فکر اور تہذیب سے وابستہ ہو کر اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔ [15]

مالک بن نبی نے مستشرقین کو سمجھنے کے لئے انھیں دو طرح سے تقسیم کیا ہے؛ ایک زمانی تقسیم جیسے پرانے مستشرقین ہیں مثلا: گربر ڈور بیک اور تیرہویں صدی کے سینٹ توما اکویناس [م: 1274ء] وغیرہ، اور معاصر یا جدید مستشرقین جیسے برنارڈ کارے ڈی فو [م: 1953ء] اور اگناز گولڈزیہر [1850ء-1921ء] وغیرہ، جبکہ دوسری تقسیم انھوں نے مستشرقین کے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں خیالات کو دیکھ کر کی ہے۔ اس تقسیم کے اعتبار سے کچھ مستشرقین وہ ہیں جو اسلامی تہذیب کی تعریف اور مدح کرتے ہیں [16] جبکہ کچھ وہ ہیں جو نہ صرف اسلامی تہذیب کے ناقدین ہیں بلکہ اسے بدنام کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

قدیم مستشرقین کے بارے میں مالک بن نبی کی رائے یہ ہے کہ وہ صرف مغرب میں لوگوں کے افکار پر اثر انداز ہوئے ہیں اور مسلمانوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ بن نبی دوسرے طبقے کے مستشرقین جنہوں نے اسلامی فکر

و تہذیب کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے، کے بارے میں بھی زیادہ فکر مند نہیں ہیں بلکہ ان کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ ان کی وجہ سے مسلم مفکرین نے قلم اٹھایا ہے اور اپنی تہذیب و ثقافت کا دفاع کیا ہے۔ (17) مالک بن نبی نے ان مستشرقین سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی تعریف کے لبادے میں زہر آلود افکار پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسے مستشرقین کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے شاندار ماضی کے خواب دیکھتے رہیں اور عصر حاضر کے تقاضوں کو نظر انداز رکھ کر دوبارہ بیدار ہونے کی کوشش نہ کریں۔[18]

مالک بن نبی فرماتے ہیں: "اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی نستشرقین نے اسلامی تہذیب کی تعریف و توصیف کی، مثلاً جوزف رینو [1795ء-1867ء]، جس نے انیسویں صدی کے وسط میں جغرافیے پر ابوالفداء الدمشقی [1273ء-1331ء] کی کتاب کا ترجمہ کیا، اور رین ہنٹ ڈوزی [1820ء-1883ء] جس کے قلم نے اسپین میں عربوں کی روشن تاریخ کو اُجاگر کیا، اور لویس سیڈیو [1808ء-1875ء] جو زندگی بھر اس کے لیے برسرِپیکار رہا، کہ عرب عالم فلکیات و انجینیر ابوالوفا، البوزجانی [1940ء-1998ء] کو 'چاند کی حرکت کے دوسرے قانون' کا موجد قرار دیا جاسکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مغربی اہلِ قلم حضرات نے علمی حقائق کی برتری ثابت کرنے اور حقیقی تاریخ کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی، اور یہ سب انھوں نے اپنے مغربی معاشرے کے لیے کیا۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کے دانش وَر طبقے پر ان کے افکار زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں۔"[19] اس معنی میں مالک بن نبی خود بھی اپنے آپ کو مستشرقین کے احسان مند سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: میں ان مسلم نسل سے تعلق رکھتا ہوں جو مغربی مستشرقین کی احسان مند ہے، کیوں کہ بالواسطہ اُن کی وجہ سے اسے وہ راستہ ملا جس سے مغربی تہذیب کی چمک دمک سے متاثر احساس کمتری کا شکار ضمیر جاگ سکتا ہے۔[20]

استشراقی فکر کے منفی اثرات

میں عمر کے اعتبار سے اس مسلم نسل سے تعلق رکھتا ہوں، جو ان مغربی مستشرقین کی اس معنی میں احسان مند ہے کہ ان کے توسط سے اسے وہ ذریعہ ہاتھ لگا، جس سے مغربی تہذیب کی چمک دمک سے متاثر اسلامی ضمیر کا احساس کمتری دُور ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر ہم اس مسئلے کا اپنے حالیہ تجربات کی روشنی میں جائزہ لیں، تو محسوس ہو گا کہ اس طریقے کے نتائج ہماری فکر و ثقافت کی خوش آیند تبدیلی تک ہی محدود نہیں رہے، بلکہ دوسری طرف اس کے منفی اثرات بھی ظاہر ہوئے۔ انھی اثرات کو ہم یہاں زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ اسلامی معاشرے پر ان اثرات کی حقیقی شکل کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہمیں اس قسم کے استشراق کا جائزہ اس کے اصل تاریخی مآخذ کی روشنی میں لینا ہو گا۔

یورپ نے اپنی تاریخ کے دو مرحلوں میں اسلامی فکر کا انکشاف کیا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے مرحلے میں تھامس

اکویناس[م:۱۲۷۴ء] سے پہلے اور بعد کے دور میں یورپ نے اس فکر کا انکشاف اور ترجمہ کر کے اپنی تہذیب اور ثقافت کو مالامال کر لیا تھا، اور اسی سبب وہ پندرھویں صدی کے آخر سے اپنی نشاتِ ثانیہ کی جانب کامیابی سے گامزن ہو سکا۔

جدید سامراجی دور میں اس نے فکر اسلامی کا ایک بار پھر انکشاف کیا۔ اس بار ثقافتی ترمیم کے لیے نہیں بلکہ سیاسی ترمیم کے لیے، تاکہ وہ اپنے سیاسی منصوبوں کو مسلم ملکوں کے حالات کے مطابق جما سکے اور ان حالات کو مسلم ملکوں کے لیے اپنی طے شدہ پالیسیوں کے رُخ پر موڑ کر مغلوب اقوام پر اپنی گرفت مضبوط کر سکے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ مغرب ان علمی کوششوں کے ذریعے انسانیت کے تمدنی سرمایے میں ان اقوام کی خدمت کی صرف ستایش کرنا چاہتے ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لویس سیڈیو اور چارلس گستاولیبان [1841ء-1931ء] جیسے مستشرقین حقیقی علمی جذبے کے تحت تحقیق و تلاش کر رہے تھے۔ لیکن یہاں اس بات کو سامنے رکھنا ضروری ہے کہ یہ تعارف ایسے تاریخی حالات میں ہوا، جب اسلامی علوم کی یہ حیثیت نہیں تھی کہ ان کو اساتذہ کے لیکچرز اور ان کی جدید تالیفات سے حاصل کیا جا سکتا، بلکہ وہ ایک طرح سے آثارِ قدیمہ کی شکل اختیار کر چکے تھے، جن کا انکشاف مغربی اہلِ علم کے ہاتھوں محض اتفاقاً ہو تا تھا۔ وہ انھیں منتقل کرنے میں کبھی دیانت داری اور کبھی بددیانتی سے کام لیتے۔ یہ سائنسی دریافتیں کبھی مسلمان علما اور کبھی اہل یورپ کی طرف منسوب کر دی جاتی تھیں۔ اس طرح عظیم انکشاف کو اصل موجدوں کے بجائے دوسروں کی طرف منسوب کیا جاتا رہا۔ جیسے خون کی گردش کے نظام کا پتا لگانا برطانیہ کے ماہر حیاتیات اور معروف معالج ولیم ہاروے [۱۵۷۸ء-۱۶۵۷ء] سے منسوب کیا گیا، حالاں کہ دراصل مسلمان طبیب علاء الدین ابن النفیس [۱۲۱۳ء-۱۲۸۸ء] اس سے چار سو سال قبل اس کا انکشاف کر چکا تھا۔ مذکورہ رویوں سے عالمِ اسلام کو مغربی ثقافت سے سخت دھچکا لگا۔ اس کے دو طرح کے اثرات ظاہر ہوئے: ایک طرف تو اسے واضح احساسِ کمتری سے دوچار ہونا پڑا، اور دوسری طرف اس احساسِ کمتری کے ازالے کی کوشش میں وقت اور قوت کا ضیاع ہوا، خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی رہی ہو۔

اس صدمے نے مسلم دانش وروں کی ایک جماعت کی ثقافتی قوتِ مدافعت کے نظام کو تقریباً مفلوج کر کے رکھ دیا۔ اس احساسِ کمتری کے نتیجے میں وہ مغرب کی ثقافتی یلغار کا مقابلہ نہ کر سکے اور فکری جنگ شروع ہوتے ہی کسی شکست خوردہ فوج کی طرح میدان میں اسلحہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس قسم کے دانش وروں کو مغرب کی پوشاک، رہن سہن اور طور طریقے اپنانے ہی میں راہِ نجات نظر آئی، خواہ ان کے اس طرزِ عمل کا مغرب کی حقیقی تہذیبی اقدار سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔

وحی کے بارے میں مستشرقین کا اعتراض اور مالک بن نبی کا موقف

وحی "اللہ کا اپنے رسولوں میں سے کسی ایک کو، یا اپنے نبیوں میں سے کسی ایک کو، اُس کلام یا معنی کے بارے

میں جس کے بارے میں وہ چاہتا ہے اس طریقے سے بتانے کا نام ہے جس سے نبی یا رسول کو یقین اور فیصلہ کن علم کے ساتھ فائدہ پہنچے جو اللہ نے اسے سکھایا ہے"[21] وحی اسلام کی بنیاد ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اسی پر پورا اسلام قائم ہے، چنانچہ مستشرقین کی کوشش اس کے انکار پر مرکوز رہی اور انہوں نے حسب عادت اس انکار کو سائنس کا لبادہ میں پہنانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وحی کا واقعہ ایک خود ساختہ ذاتی تصور ہے، یعنی محمد نے نہ کسی فرشتے کو دیکھا اور نہ ہی باہر سے کوئی کلام سنا۔ مستشرقین نے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور مالک نے اسے مستشرقیں کے مفروضے قرار دئے ہیں، جن کی تحقیق کی ضرورت ہے، وہ مفروضے درج ذیل ہیں:

1. یہ الہام اور مکاشفہ کا ایک مظہر ہے، مطلب یہ ہے کہ محمد مذہبی مسئلہ پر گہرے مراقبے میں ڈوبے ہوئے تھے جس نے انھیں مستقبل کی دعوت کے لیے ایک قسم کی الہام تک پہنچادیا۔
2. یہ اندرونی سخت تناؤ اور مرگی کی سی کیفیت ہے۔
3. یہ ذات کے اندر لاشعور سے پیدا ہونے والی کیفیت ہے۔

مالک نے ان مفروضوں کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک واضح طریقہ کار اپنایا، انھوں نے انکشاف کے تصور کا مطالعہ اُس کے مفہوم کے بارے میں بات کرتے ہوئے شروع کیا، کہ یہ "کسی ایسے موضوع کا براہ راست علم ہے جو سوچنے کے قابل ہو یا فی الواقع اس کے بارے میں سوچا جا رہا ہو۔"[22] لیکن اس معنی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پر نازل ہونے والی وحی کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا کیونکہ ان پر وحی اُن معاملات کے بارے میں نازل ہوئی جن کے بارے میں سوچنے میں مشغول ہی نہیں تھے یا وہ سوچ کے تابع ہی نہیں تھے، لہذا، وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انکشاف کے تصور کے برعکس یہ وحی ہے جس کا مفہوم "کسی ایسے موضوع کا بے ساختہ اور مطلق علم ہے جس کے بارے میں نہیں سوچا جا رہا ہو اور نہ سوچ کے زمرے میں آتا ہو۔"[23]

مقالہ نگار کے مطابق مالک بن نبی نے اس کے بارے میں درست رائے قائم نہیں کی ہے کیونکہ سیرت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا وقت غار حرا میں عبادت میں گزارتے تھے اور اپنے ارد گرد موجود کائنات کے مناظر اور اس سے آگے کی تخلیقی قوت کے بارے میں سوچتے تھے۔ کیونکہ وہ اس وقت کے لوگوں کے مشرکانہ عقائد سے مطمئن نہیں تھے۔[24]

نیز قرآن کے یہ الفاظ بھی اس رائے کے خلاف ہیں:" قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ-فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ"[25]

(ہم تمہارے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں، ضرور ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں تمہاری خوشی ہے۔ تو ابھی اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرلو اور بیشک وہ لوگ جنہیں کتاب عطا کی گئی ہے وہ ضرور جانتے کہ یہ تبدیلی ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں)

مالک بن نبی نے مستشرقین کے تصور کی ایک اور تردید کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ "مکاشفہ یا انکشاف بصری، نفسیاتی یا سمعی یا اعصابی کیفیت کے ساتھ نہیں ہوتا جیسے پٹھوں کا سکڑنا وغیرہ جیسا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں دیکھتے ہیں"[26] ابن نبی کہتے ہیں کہ وحی کے نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پٹھے نہیں سکڑتے تھے۔ کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ وحی کے وقت آپ کے پٹھے سکڑ جاتے تھے اور نہ پوری زندگی میں اس تکلیف میں کبھی آپ مبتلا ہوئے، جس سے مرگی کی بیماری کا پتہ چلتا ہے، آپ پر وحی نازل ہو رہی ہوتی تھی اور آپ کے اعصاب میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ بلکہ آپ کو پسینہ آتا تھا اور شہد کی مکھی کی طرح کی آیک آواز سنائی دیتی اور جیسے ہی وحی ختم ہوتی آپ وہ سب کچھ یاد کرتے جو سن چکے ہوتے۔

اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو قرآن کے نزول کے واقعات کی وضاحت کرتی ہیں، جیسا کہ دو صورتیں ذکر ہیں:

- پہلی صورت یہ ہے کہ یہ وحی ان کے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی جس کی زوردار آواز سے وہ مکمل طور پر بیدار ہو جاتے اور روح کو اس کے اثرات کو قبول کرنے کے لیے اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ متنبہ کرتی ہے۔ جب اس صورت میں آپ صی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو وہ جسم کی تمام تر طاقت کے ساتھ اسے وصول کرتے اور اسے یاد کر کے سمجھ لیتے تھے۔
- دوسری صورت: یہ کہ فرشتہ آپ کے سامنے ایک آدمی کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور انسان کی شکل میں آپ کے پاس آتا۔ یہ صورت گزشتہ کی نسبت ہلکی ہوتی، جہاں فرشتے اور پیغمبر کے درمیان تناسب ہوتا۔ رسول اللہ اسے اللہ کے پیامبر فرشتے سے سن کر انس حاصل کرتا اور ایسی کیفیت پیدا ہوتی جیسے ایک شخص کی اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ بات چیت کرلیتا ہے۔[27]

یہ دونوں صورتیں اس حدیث میں مذکور ہیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے؛ کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بعض اوقات میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ میرے لیے سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، جب وہ مجھ سے الگ ہو جاتا ہے تو میں اس کی بات سمجھ چکا ہوتا ہوں۔ اور کبھی کبھی فرشتہ مجھے

دکھائی دیتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے، چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔" حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے دن آپ پر وحی نازل ہوتی اور جیسے ہی وحی کٹ جاتی تھی تو ہم آپ کے جبین مبارک کو دیکھتے جیسے پسینہ ٹپک رہا ہوتا۔[28]

الہام یا انکشاف کا قول کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کے دور کی اصطلاح ہے۔ لوگوں نے رسول اللہ کے بارے میں کہا کہ یہ وہ گہرے اور وسیع خیالات میں گم شخص تھے اور اس پر مستزاد ان کا وجدان حواس پر اتنا غالب آجاتا کہ انھیں لگتا ہے کہ وہ کسی کو بولتے ہوئے دیکھتا اور سنتا ہے۔"[29]

عقلی نقطہ نظر سے انکشاف کے تصور پر بحث کرتے ہوئے، انھوں نے اس کے نتائج پر بات کی ہے کہ مکاشفہ میں " آدمی کو مکمل یقین حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس چیز کا احتمال یا امکان کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کہ رسول اللہ تو کامل یقین کے ساتھ بات کرتے، انھیں مکمل یقین تھا کہ نازل شدہ علم ذاتی نہیں ہے، اچانک ان کے پاس آئی ہے اور ان کے دسترس سے باہر ہے۔"[30] اور اس کے ثبوت کے طور پر وہ یہ پوچھتے ہیں کہ: " کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکشاف کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی حالت اور واقعہ بیان کر سکتے ہیں؟ اُس ماں کی حالت جب اس نے اپنے بیٹے کو سمندر میں پھینک دیا تھا؟ اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انکشاف کے ذریعے ممکن تھا کہ وہ وحی اور حدیث میں فرق کریں؟ یعنی ایک قرآنی آیت ہے جسے وہ فوری طور پر قلمبند کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ایک جو اپنے صحابہ کو سناتے ہیں اور ان کی یادداشت کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن اپنے حروف واصوات کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہے جبکہ احادیث بھی انہی کے اقوال پر مشتمل ہیں اور انہی کے زبان مبارک سے جاری ہوئے ہیں۔ ایسے میں دونوں میں فرق کرنا ممکن ہی نہیں ہے جب تک صاحب کتاب کو اس فرق کا مکمل علم نہ ہو۔[31] چنانچہ وہ ثابت کرتے ہیں کہ کشف یا الہام یقین پیدا نہیں کرتا۔

مالک بن نبی وحی کے مظاہر کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے فرد کی نفسیاتی حالتوں سے باہر کا مظہر سمجھتے ہیں، اس کے ذاتی کے ذریعے اس نفس کے تجزیے کے ذریعے۔ اعتقاد اور ذاتی یقین کے مسئلے کو دو پیمانوں کے اندر متعارف کراتا ہے، جو ظاہری پیمانہ ہیں اور اس کا مقصد اس واقعہ کے وقوع کو ذاتی طور پر پیش آنے والے واقعات سے ثابت کرنا ہے، جو صحیح تاریخی روایات اور ذہنی پیمانے سے ثابت ہیں: اس کا مقصد اس واقعہ پر بحث کرنا، اس کی تعریف کرنا اور ذہنی نقطہ نظر سے اس کا تجزیہ کرنا، خود اعتمادی اور ذاتی یقین تک پہنچنے کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے - دعوت دینے سے پہلے۔ اس مذہب کو جدید مستشرقین پر مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے "ایک ضروری نفسیاتی حقیقت کو مد نظر نہیں رکھا، جو یہ ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی یقین"۔[32] وہ اس واقعہ کو اس لحاظ سے وحی یا الہام

سمجھتے ہیں کہ یہ ایک موضوعی واقعہ ہے، اور یہ ایک قول ہے جس پر ان کا اتفاق ہے، تاہم وہ اس واقعہ کے ساتھ اس سے وابستہ خود گواہی کو مکمل طور پر منسلک نہیں کرتے، اور پھر وہ کوشش کرتے ہیں۔ خود گواہی کو دو قدروں کے ذریعے ثابت کرنا ہے: اخلاقی قدر جو ظاہری معیار کی وجہ سے ہے، اور ذہنی قدر جو کہ ذہنی کسوٹی کی وجہ سے ہے، اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق واقعہ کا مطالعہ کرتا ہے اور ایک ایسا معیار مقرر کرتا ہے جس کی تائید نفس کے ظہور سے متعلق تمام عناصر سے ہو، وہ ذات جو مقدمہ بھی ہے، اس کا گواہ اور اس کا جج بھی۔[33]

وحی کے بارے میں اپنے تجزیے میں آگے بڑھ کر یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ فرد کی نفسیاتی حالتوں سے باہر ہے، اس نفس کے اپنے تجزیے کے ذریعے۔ اپنے ذاتی اعتقاد اور ذاتی یقین کی بنیاد پر جس کے دو پیمانے ہیں: ایک ظاہری پیمانہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق ذاتی طور پر پیش آنے والے واقعات کے ذریعے کی جائے، جو صحیح تاریخی روایات سے ثابت ہوں۔ دوسرا عقلی معیار اور پیمانہ ہے۔ اس کا مقصد عقلی نقطہ نظر سے اس واقعہ پر بحث کرنا، اس کی مختلف پہلوؤں کو بیان کرنا اور اس کا تجزیہ کرنا، تاکہ دوسروں کے اس دین میں داخل ہونے سے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اعتمادی اور ذاتی یقین کا سبب بنے۔ جدید مستشرقین پر دیگر اعتراضات کے ساتھ ایک یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اس حقیقت کو مد نظر نہیں رکھا۔[34] کا الزام لگایا جاتا ہے، جو یہ ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی یقین۔

مستشرقین پر تنقید کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کو کشف یا الہام سمجھتے ہیں یعنی وہ اس واقعے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور شخصی حادثہ سمجھتے ہیں اور اس پر تمام مستشرقین کا اتفاق ہے۔ تاہم، وہ اس واقعہ کے ساتھ آپ صلی اللہ کی ذات کی گواہی کو نہیں قبول کرتے۔ اس ضمن میں انھوں نے فرانسیسی مستشرق ایمائل ڈرمینگھم[35] Émile Dermenghem پر بھی تنقید کی ہے جس نے اسے الہام قرار دیا۔ مالک بن نبی کے مطابق جب وہ قرآن کریم کی تاریخی صحت سے انکار نہیں کر تا لہٰذا اسے ماننا پڑے گا کیونکہ خود قرآن نے فرمایا ہے: وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ [36]

اور (اے پیغمبر!) تمہیں پہلے سے یہ اُمید نہیں تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، لیکن یہ تمہارے رَبّ کی طرف سے رحمت ہے، لہٰذا کافروں کے ہر گز مدد گار نہ بننا۔

اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم صادق اور امین ذات کے بارے میں یہ مان لیں کہ آپ نے غار حرا میں عزلت اس لئے اختیار کی تھی کہ ان کے دل میں ایک خاموش خواہش تھی کہ کوئی مابعد الطبیعیاتی مسئلہ پیدا ہو۔ مالک بن نبی کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ جدید تنقید بالخصوص پروفیسر درمنگھم اس پہلو کو جستجو اور اضطراب کا ایک مرحلہ سمجھتے ہیں

،یعنی حالات ساز گار بنانے کا ایک قسم کا ارادہ تھا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ سوچ تخلیق پائے۔ اس کے برعکس اس زمانے کی دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیب کے مسئلہ اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ دوسرا یہ غور فکر کرنا انھیں وراثت میں ملا تھا، کیونکہ ایک خدا پر ایمان ان کے پاس اپنے جد امجد حضرت اسماعیل سے ہوتے ہوئے آیا ہے۔ ان کے مطابق اپنی تنہائی کے ذریعے وہ کسی خاص دعوت کی تلاش نہیں تھے، بلکہ ان کے پیش نظر سرے سے مذہبی مسئلہ ہی نہیں تھا، وہ تو اخلاقیات کی تلاش میں تھے جو اس معاشرے میں ناپید ہو گئے تھے۔[37]

الغرض مالک بن نبی نے وحی کے بارے میں مستشرقین کے اختیار کردہ مختلف نظریات پیش کر کے اس کا محاسبہ کیا ہے۔ ان کے مطابق مستشرقین نے اس مسئلے کو مختلف زاویوں سے دیکھا، ان میں سے بعض نے وحی کو اسلامی تاریخ اور ثقافت کا حصہ سمجھا، جب کہ بعض نے کہا کہ وحی محض ایک انسانی ایجاد ہے اور اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بن نبی نے اسلام اور وحی کے بارے میں مستشرقین کی تفہیم پر ان خیالات کے اثرات کی وضاحت کی ہے، اور یہ کہ ان میں سے کچھ نے ان خیالات کو کس طرح اسلام کے بارے میں اپنے منفی نقطہ نظر کو درست ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

مالک بن نبی نے دو طرح سے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے:

1- مستشرقین کے نظریات کا تنقیدی تجزیہ: مالک بن نبی نے نزول کے مسئلہ پر مستشرقین کے خیالات کا تنقیدی اور سائنسی انداز میں قانونی، فلسفیانہ، تاریخی اور لسانی شواہد کی بنیاد پر تجزیہ اور تنقید کی اور مستشرقین کی طرف سے کی جانے والی ابہام اور تحریف سے تصورات کو آزاد کرایا۔

2- اسلام میں وحی کے تصور کی وضاحت: مالک بن نبی نے اسلام میں وحی کے تصور اور ملت اسلامیہ کی فکری، ثقافتی اور تاریخی تعمیر میں اس کے کردار کو واضح کیا، تا کہ مستشرقین کے ان الزامات کا جواب دیا جا سکے، جو اسلام کی عظمت اور اس کی فکری، ثقافتی اور روحانی طاقت کو اجاگر کرنے کے لیے وحی کے کردار کا انکار کرتے ہیں۔

ان دو طریقوں سے مالک بن نبی نے اسلام میں وحی کے جائز مقام کو بحال کرنے اور اس غلطی اور ابہام کو دور کرنے میں کامیاب ہوئے جو مستشرقین نے اس مسئلہ پر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

حوالہ جات

[1] . مالک بن نبی، مذکرات شاہد القرن "الطفل" (بیروت: دار الفکر، ط:2، 1984ء)، ص:15۔

[2] . العویسی، عبد اللہ بن حمد، مالک بن نبی، حیاتہ وافکارہ (بیروت: الشبکۃ العربیہ للابحاث والنشر، ط:1، 2012ء)، ص:51۔

[3] ۔ کوشش کے باوجود شیخ عبد المجید کے بارے میں معلوم نہ مل سکیں، مالک بن نبی کے بارے میں لکھنے والوں نے بھی ان کی ڈائری سے

اخذ شدہ معلومات پر ہی اکتفا کیا ہے جہاں صرف اتنا درج ہے کہ انھوں نے عربی گرائمر کے ساتھ ساتھ ان کی فکری نشو نما میں اہم کردار ادا کیا۔

[4] ۔ شیخ مولود بن الموھوب (1866ء-1930ء، الجزائر کے ادباء اور اصلاح پسندوں میں سے تھے۔ ان کی کتابوں میں " مختصر الکافي في العروض ، نظم الآجرومية، اور شرح منظومة التوحيد للمجاوري مشهور ہیں۔ ان کی تفصیلی ترجمے کے لئے دیکھئے: الزرکلی، خیر الدین، الأعلام (بیروت لبنان: دار العلم للملایین، ط:1984ء)، ج:7، ص:333۔

[5] . مذکرات شاہد القرن "الطالب"، ص:105-107۔

[6] ۔ احمد رضا بیگ (1858-1930) ترک دانشور اور ادیب تھے جو پیرس (فرانس) میں رہے۔ انھوں نے فرانس سے "مشورت" کے نام سے ایک اخبار کا اجراء بھی کیا۔ سلطان عبد الحمید کے خلاف تحریک چلانے میں پیش پیش تھے۔ سلطان محمد ششم نے انھیں ترک سینٹ کا صدر مقرر کیا تھا۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں " الخيبة الادبية للسياسة الغربية في الشرق " قابل ذکر ہے۔

[7] . شیخ محمد عبدُہ (1849ء-1905ء) مصری مسلم عالم، محقق، مفتی اعظم، مصلح اور مصنف تھے۔ اُنھیں شیخ جمال الدین افغانی سے تلمذ حاصل تھا۔ اُنھیں مصر کا تاریخ ساز اور اصلاح کا داعی اور عظیم شخصیت تصور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرانس میں جمال الدین افغانی کے ساتھ مل کر مجلہ "العروۃ الوثقیٰ" کا اجراء کیا۔

[8] . عبد الرحمن الکواکبی (1855-1902) انیسویں صدی کے ان مفکرین میں ہیں جنہوں نے بیداری امت کے لئے بہت کام کیا۔ وہ شام کے شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ ان کی وجہ شہرت ان کی معروف کتاب " طبائع الاستبداد و مصارع الاستعباد " ہے۔

[9] . ام القریٰ کے نام سے موسوم اس کتاب میں الکواکبی نے 1895 کو مکہ مکرمہ میں منعقدہ امت مسلمہ کے رہنماؤں سے اجتماعات کی روداد لکھی ہے۔ ان اجتماعات میں دنیا بھر سے 22 علماء نے شرکت کی تھی جہاں انھوں نے امت کے زوال اور امت کو درپیش مسائل اور ان کے حل پر بات کی۔ الکواکبی نے اس روداد کو فرضی نام "سید فراتی" کے ساتھ شائع کیا ہے۔

[10] . جون ڈیوی (1859-1952) امریکی فلاسفر تھے، ان کی وجہ شہرت ان کی مذکورہ کتاب ہے جس میں انہوں نے کسی بھی مسئلے کے حل کے لئے پانچ مراحل بتائے ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار 1910 میں شائع ہوئی۔

[11] . فریڈرک نطشے (1844-1900) انیسویں صدی کے جرمن فلسفی تھے۔ ان کے خیال میں طاقت ہی انسانی معاملات میں فیصلہ کن عنصر ہے۔ ان کی وجہ شہرت انسان کامل یعنی (Superman) کا تصور پیش کرنا ہے۔ مذکورہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے، اس میں نطشے کے اُن مقالات و خطبات کو جمع کیا گیا ہے جن میں انہوں نے زردشت کے افکار و نظریات پر بات کی ہے۔

[12] . مذکرات شاہد القرن "الطالب"، ص:110۔

[13] . سابقہ مصدر، ص:43۔

[14] . سابقہ مصدر، ص:57 تا 79۔

[15] . مالک بن نبي، **إنتاج المستشرقين وآثره في الفكر الإسلامي الحديث** (بیروت: دار الإرشاد، ط:1، 1969ء)، ص:5.

[16] .مالک بن نبي، **القضایا الکبری** دمشق: دار الفکر المعاصر، ط:1، 1991)، ص:167.

[17] ۔حسن موسیٰ محمد العقبی، **موقف مالک بن نبی من القضایا الفکریۃ المعاصرۃ** (فلطین: الجامعہ الاسلامیہ، غزہ، 2005ء)، ص:92۔

[18] ۔ایضا، ص:93۔

[19] ۔مالک بن نبي، **إنتاج المستشرقين وأثره في الفكر الإسلامي الحديث** (بیروت: دار الإرشاد، ط:1، 1969ء)، ص:7-8.

[20] ۔ایضا، ص:8۔

[21] ۔المیدانی، عبد الرحمن حسن حبنکہ، **العقيدة الاسلامية واسسها**، (دمشق: دار القلم، ط:2، 1979ء)، ص:528۔

[22] ۔مالک بن نبی، **الظاهرة القرآنية**، ص:168۔

[23] ۔ایضا، ص:168۔

[24] ۔مبارک پوری، صفی الرحمن، **الرحيق المختوم** (دمشق، مکتبۃ الایمان، ط:1، 1993ء)، ص:60۔

[25] ۔القرآن، 2:144۔

[26] ۔الظاهرۃ القرآنیۃ، ص:168۔

[27] ۔القطان، مناع، **مباحث فی علوم القرآن** (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1998ء)، ص:34۔

[28] ۔البخاری، **صحيح البخاری**، کتاب الوحی، باب کیف بدأ الوحی، حدیث:2۔

[29] ۔دراز، محمد عبد اللہ، **النبأ العظيم** (بیروت: دار القلم، ط: 2، 1970ء)، ص: 67۔

[30] ۔**الظاهرة القرآنية**، ص:168۔

[31] ۔مصدر سابق، ص:169۔

[32] ۔مصدر سابق، ص:175۔

[33] ۔مصدر سابق، ص:119۔

[34] ۔مصدر سابق، ص:119۔

[35] ۔ایمائل ڈرمینگھم، 3 جنوری 1892 کو پیرس میں پیدا ہوئے اور 15 مارچ 1971 کو وفات پا گئے۔ وہ ایک فرانسیسی مستشرق اور الجزائر کی لائبریری کے ڈائریکٹر تھے۔ انھوں نے بیسیوں کتابیں تصنیف کیں جن میں La Vie De Mahomet (دی لائف آف محمد) نمایاں ہے جو پیرس سے 1929ء میں شائع ہوئی۔ ان کے بارے میں مزید معلومات اور ان کی کتب کی فہرست کے لئے دیکھئے: https://fr.wikipedia.org/wiki/%C3%89mile_Dermenghem

[36] ۔القصص، 28:86۔

[37] ۔الظاهرۃ القرآنیۃ، ص:138۔